مذہبی تہذیب کے اثرات، مغرب میں عورت کی حیثیت، ادب و فن اور عربی سائنس کے یورپ پر احسانات وغیرہ معاملات پر بحث کی گئی ہے اور ان مباحث میں اسلامی نقطۂ نظر کو ترجیح دی گئی ہے، اور اسلام اور دیگر تہذیبوں کا مقابلہ کرکے بتایا گیا ہے کہ قابلِ عمل اور لائق ترجیح و تتبع وہی تہذیب ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور انسانیت کی بھلائی کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے ہر معاملے میں رہنما ٹھہرایا جائے ۔۔۔ آخر میں "عربی سائنس اور یورپ" کے عنوان سے ایک ضمیمہ دیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ساتویں صدی سے گیارھویں صدی عیسوی تک مسلمانوں نے یورپ پر جو مسلسل فتوحات حاصل کیں، انھوں نے "یورپ کو یہ احساس دلا دیا تھا کہ مسلمانوں کی طاقت کا مقابلہ محض مذہبی لڑائیوں اور تعدادِ افواج سے نہیں ہوسکتا اور مسلمانوں کے عناصرِ قوت یعنی علمی و عملی سائنس کو حاصل کرنے سے ہی عیسائی یورپ مسلمانوں کا مقابلہ کرسکے گا۔ یورپ میں اس خیال کے تحت عربی زبان کا مطالعہ شروع ہوگیا تھا..... چنانچہ بارھویں صدی میں یورپ نے عربی سے لاطینی میں ترجمہ کرکے سائنس کے ان ذخائر سے مستفید ہونا شروع کیا جنھیں عرب دوسری تہذیبوں سے حاصل کرکے ترقی دے رہے تھے۔"

اس کے بعد جابر بن حیان، خوارزمی، کندی، ثابت بن قرہ، رازی، فارابی، حالی عباس، ابن ہیثم ابن سینا، بطروجی اور ابن رشد وغیرہ مشہور اہلِ علم کے ناموں کی فہرست دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس موضوع سے متعلق ان کی کتابوں کا کس مترجم نے ترجمہ کیا۔

بہرحال کتاب بڑی معلوماتی ہے اور محکمہ تعلیم پنجاب کی منظور شدہ ہے۔ ہم اپنے قابلِ احترام قارئین سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

امام دارقطنی

مصنف : ارشاد الحق

ناشر : ادارۂ علوم اثریہ، منٹگمری بازار لائل پور

صفحات : ۱۹۲ قیمت درج نہیں

ادارۂ علوم اثریہ (لائل پور) کے سلسلہ مطبوعات کی یہ چوتھی کڑی ہے۔ یہ کتاب شہرۂ آفاق محدث امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی کے حالات و سوانح اور ان کے علمی و تصنیفی کارناموں پر مشتمل ہے۔ امام دارقطنی باختلافِ روایات ۳۰۵ یا ۳۰۶ھ (۹۱۸ یا ۹۱۹ء) میں بغداد کے محلہ دارقطن میں پیدا ہوئے اور اسی

بنا پر دارقطنی کہلاتے ۔ ان کی وفات ۷۹ یا ۸۰ سال کی عمر میں ۳۸۵ھ میں ہوئی۔

زیرِتبصرہ کتاب میں لائق مصنف نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کے سوانح بھی درج کیے ہیں اور ان کی علمی اور تصنیفی خدمات پر بھی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ مصنف اگرچہ تصنیف و تالیف کے میدان میں نووارد ہیں لیکن کتاب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تصنیفی مستقبل تابناک ہے اور وہ تحقیق و تدقیق کی خشک وادیوں کو کامیابی سے طے کریں گے۔ انشاء اللہ! اور بالآخر یہ سہرہ ادارہ علومِ اثریہ ہی کے سر بندھتا ہے، جس نے اتنے بڑے کام کے لیے فارغ التحصیل طلبہ کو تیار کرنے کا اہتمام کیا۔

کتاب میں امام دارقطنی سے متعلق دائرہ معلومات کو بڑا وسیع کیا گیا ہے۔ اس میں ان کی محدثانہ حیثیت کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ ان کے فقہی مسلک کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں، ان کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، ان اعتراضات و تنقیدات کو بھی سامنے رکھا گیا ہے، جن کا ہدف مختلف اہلِ علم نے ان کو بنایا ہے، اور ان کی تصنیفات کا بھی تعارف کرایا گیا ہے۔

کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی جامع ہے۔ آخر میں مصنف نے مصادر و مآخذ کے عنوان سے ان کتابوں کی تعداد بھی ان کے الگ الگ نام لکھ کر بتائی ہے، جن سے انھوں نے کتاب کی تصنیف کے وقت استفادہ کیا، ان کی تعداد ۱۲۶ ہے۔

کسی کتاب کی تصنیف کے باب میں یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جس قسم کا موضوع ہو اسی قسم کی زبان استعمال کی جائے۔ حدیث اور ائمہ حدیث کے بارے میں گفتگو ہو تو ان کے شایانِ شان اندازِ کلام اختیار کیا جائے اور نہایت ادب و احترام سے ان کے نام لیے جائیں۔ کتاب کے صفحہ ۹۴ پر ایک معاملے میں بحث کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ "مولوی عبدالعزیز گوجرانوالوی حاشیہ نصب الرایہ میں لکھتے ہیں"۔ اس اندازِ تحریر سے ہمیں ذہنی کوفت ہوئی۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گوجرانوالہ کے بہت بڑے عالم تھے، ملک گیر شہرت کے مالک تھے اور ایک فقہی مسلک کے اعاظمِ رجال میں سے تھے۔ ان کا ذکر ان کے مرتبۂ علمی کے مطابق ہونا چاہیے تھا۔

بہر حال اہلِ علم کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس کے مندرجات سے مستفید ہونا چاہیے۔